ڈاکٹر تحسین بی بی

صدر شعبہ اردو، یونیورسٹی آف صوابی

ڈاکٹر زینت بی بی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، شہید بینظیر بھٹو خواتین یونیورسٹی پشاور۔

قتیل شفائی بطور کثیر الجہت شاعر

Dr- Tahseen Bibi
Head, Department of Urdu, University of Swabi
Dr. Zeenat Bibi
Assistant Professor, Department of Urdu Shaheed Benazir Bhutto Women University Peshawar-

Qatil Shafai as a multifaceted poet

Hazaras have produced eminent personalities in terms of literature. The name of Qateel Shafai is also included in this list. He tried his hand at all favourite and popular genres of poetry. He touched the heights of fame by writing Poems, Ghazals, Songs, Verses, Rubai, Azad ghazal and the film Ghazal. His poetry is an expression of human feelings and emotions. Especially the pain of love, separation and loneliness can be seen in his poetry. Qateel Shafai, the poet of thousands of ghazals and songs, gained equal popularity in both Pakistan and India. This achievement has been recognized with various awards including Pride of Performance, Adamji Award, Naqosh Award, Amir Khusro Award and Abbasin Art Council Award.

Keywords: personalities, genres, Poems, Ghazals, emotions,

کلیدی الفاظ: گیت، غنائیت، موسیقی، نغمگی، طوائف، احساسات، حُسن، عشق، کرب، رباعیات، قطعات

ہزارہ نے ادب کے حوالے سے نامور شخصیات پیدا کی ہیں۔ جن میں مشہور و معروف شاعر قتیل شفائی برصغیر میں یکساں طور پر جانے پہچانے جاتے ہیں۔ قتیل شفائی 24 دسمبر 1919 کو ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام اورنگزیب خان تھا۔ وہ بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے۔ اسی لئے طالب علمی کے زمانے میں تعلیم چھوڑ کر انہوں نے روزگار معاش کے سلسلے میں چھوٹی دکان کھول لی تھی۔ بعد میں انہوں

نے راولپنڈی کا رخ کیا اور وہاں معمولی سی ٹرانسپورٹ نوکری اختیار کی۔ اس طرح حالات کی ٹھوکریں کھائیں مگر کسے پتہ تھا کہ اتنی مشکلات کے بعد آخر ایک دن وہ شہرت کی بلندیوں کو چھوئیں گے۔ ان کا خاندان ایک پٹھان گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے نام کے حوالے سے ان کے والد نے تاریخی کلمات کہے تھے۔ اس حوالے سے محمد طفیل لکھتے ہیں:

"مغل بادشاہ اورنگزیب نے بھی سارے ہندوستان پر حکومت کی تھی میرا بیٹا بھی راج کرے گا سارے ہندوستان پر۔ (کبھی کبھی اوپر والا کہی ہوئی بات پر فوراً قبولیت کی مہر لگا دیتا ہے فیروز خان کی بات دعا تھی جو اللہ نے فوراً قبول کر لی۔ اورنگزیب عالمگیر نے تلوار سے علاقہ فتح کیا اور حکومت کی تبدیلی شعروں سے دلوں پر راج کیا اور کر رہا ہے)۔"(1)

قتیل شفائی کے قلمی نام قتیل اور شفائی ایک خاص نسبت سے ہیں ابتدا میں انہوں نے حکیم محمد یحییٰ شفا سے شاعری پر اصلاح لی تھی اس مناسبت سے ان کے نام کے ساتھ شفائی کا لفظ جڑ گیا۔ قتیل نام بھی انہوں نے بعد میں رکھا ہے۔ قتیل کا نام کچھ یوں پڑا کہ ان کا گھر امام بارگاہ سے قریب تھا وہاں پر مجلسوں میں انیس اور دبیر کی شاعری کہی جاتی تھی۔ اسی مناسبت سے قتیل کا نام اسی امام بارگاہ کی مناسبت سے ملا۔

ہری پور ہزارہ میں جو پہلا مشاعرہ 1940 میں منعقد ہوا اس کا سہرا بھی قتیل شفائی کے سر ہے۔ انہوں نے یومِ اقبال کے سلسلے میں یہ مشاعرہ منعقد کرایا تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اُس دور میں جب لوگ علم و ادب کی طرف کم ہی راغب تھے قتیل شفائی نے ادب کی مشعلیں روشن کیں۔ وہ خود بھی ایک عقل مند ذہین اور پُر اثر شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی خوش خوراکی، خوش مزاجی اور دوستوں سے دوستی کے چرچے پڑھنے کو ملتے ہیں۔ جزئیات نگاری اور باریک بینی کے حوالے سے بھی وہ حد درجے چوکس تھے۔ چھوٹے سے چھوٹے معاملات پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ خود بھی ذہین تھے اور ذہین لوگوں کو پسند کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ کم عقل دوست کے مقابلے میں دانا دشمن کے حق میں تھے۔ ان کی شخصیت کے بارے میں محمد طفیل لکھتے ہیں:

"ان کی شخصیت میں جتنی خرابیاں یا اچھائیاں ہیں وہ ان کے پٹھان ہونے کی وجہ سے ہیں۔ میں نے لغت میں پٹھان کے معنی دیکھے وہاں یہ لکھا تھا سپاہی، خون خوار اور لڑاکا۔۔۔۔ اگر میں ان کے بارے میں اپنی رائے

کا اظہار کروں تو وہ کچھ ایسی ہو گی کہ ان کی سپاہیت میں، ان کی خونخواریت میں اور ان کی لڑاکیت میں ایک توازن ضرور ہے۔ فنکارانہ توازن۔"(2)

قتیل شفائی کی شخصیت کے حوالے سے معلومات کے وسیلہ میں ان کی آپ بیتی جو انہوں نے 2008 میں لکھی کافی کارگر ثابت ہوتی ہے۔ اس آپ بیتی کا عنوان "گھنگرو ٹوٹ گئے ہیں" ہے۔ اس کتاب سے ان کی ابتدائی زندگی، مشکلات، مشاغل، تعلیم، ملازمت، فنی و ادبی سفر اور دوستوں وغیرہ کے بارے میں تفصیلی معلومات پڑھنے کو ملتی ہیں۔ ان کی شخصیت کی انفرادیت کے حوالے سے اظہر جاوید لکھتے ہیں:

"اس کی شاعری اپنے وطن تو کیا ملک بھارت میں بھی نصاب کا حصہ بنی۔ اس کی سحر انگیز شخصیت فلموں کا حصہ بنی۔ اس پر یونیورسٹیوں میں تھیسز لکھے گئے۔ رسائل نے خاص نمبر شائع کیے۔ مداحوں نے کتابیں تحریر کیں۔"(3)

انہوں نے مختلف اصناف شعر میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان کے شعری مجموعوں میں ہریالی (اردو گیتوں کا مجموعہ)، گجر (نظمیں غزلیں گیت)، روزن (نظمیں غزلیں)، جھومر (گیتوں کا مجموعہ)، جلترنگ (نظمیں غزلیں)، مطربہ (ایک موضوعی کی غزلیں)، گفتگو (غزلیں)، چھتنار (نظموں کا مجموعہ)، آموختہ (غزلیں)، آواز کے سائے (گیت)، برگد (نظم، غزل، دوہا، رباعی، خماسی) اور ابابیل شامل ہیں۔

ان کے کلام کی خصوصیات کے حوالے سے فیض احمد فیض نے بھی ان کے بارے میں رائے قائم کی ہے۔ انہوں نے قتیل شفائی کے لہجے کو درد، کرب اور فکر سے بھرپور بیان کیا ہے یعنی یہاں ویرانی بھی ہے، رونق بھی ہے اور اداسی بھی ہے۔ لیکن وہ کسی صورت بھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ یہی وجہ ہے کہ غنایت اور سرور کی کیفیت ان کی شاعری کا لازمی حصہ ہے۔ یہ رنگ باقی رنگوں پر بھاری ہے۔ اس حوالے سے فیض احمد فیض کہتے ہیں:

"عروسِ سخن کے کئی رنگ دیکھنے میں آئے (عاشقانہ، فلسفیانہ، صوفیانہ، ظریفانہ، سیاسی، روایتی، تجرباتی وغیرہ وغیرہ) ان میں قتیل صاحب ایک ایسا منفرد رنگ رکھتے ہیں جس میں قریب قریب سب رنگوں کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ لیکن رنگارنگی کے باوجود ان کا کلام میں اک رنگ ہے۔"(4)

اگرچہ قتیل شفائی نے شاعری کی تمام اصناف میں اپنا نام کمایا ہے مگر گیت نگاری ایک ایسا موضوع ہے جو ان تمام موضوعات پر بھاری ہے۔ انہوں نے فلموں میں گیت نگاری کا آغاز 1948ء میں فلم

"تیری یاد" کے گانوں سے کیا۔ اس فلم میں کل دس گانے تھے جس میں سے نو گانے قتیل شفائی کے حصے میں آئے۔ حالانکہ یہ وہ دور تھا جہاں فلمی گیتوں کے لئے ایک سے زیادہ شعرا کی خدمات لی جاتی تھیں۔ مگر قتیل شفائی نے اس روایت کو یکسر بدل ڈالا۔ ان کے ہم عصر فلمی گیت نگاروں میں تنویر نقوی، طفیل ہوشیار پوری اور ساغر صدیقی جیسے بڑے نام شامل ہیں۔ فلم "تیری یاد" اکتوبر 1948ء میں بھارت سینما میں ریلیز ہوئی۔ اس کے بعد ان کی دوسری فلم "دو آنسو" کے نام سے بہت مشہور ہوئی۔ جہاں ان کے لکھے ہوئے گیتوں نے ہر طرف سے داد وصول کی۔ عوامی سطح پر ان کے گیتوں کو بے حد سراہا گیا۔

قتیل شفائی کی اصل شہرت فلم "گمنام"، "گلنار" اور "قاتل" سے ہوئی۔ اگرچہ فلم "گلنار" میں ساغر صدیقی جیسے بڑے گیت نگاروں نے بھی گیت لکھے تھے مگر زیادہ تر شہرت قتیل شفائی کے حصے میں آئی۔ ان کا لکھا ہوا گیت "وہ چل دیے ہیں ہم کو تسلی دیئے بغیر۔۔۔" جسے میڈم نور جہاں نے گایا تھا۔ آج بھی اتنا ہی مقبول ہے۔ اسی طرح فلم "قاتل" اور فلم "گمنام" میں اقبال بانو کے گائے ہوئے گیت "پائل میں گیت ہیں چھم چھم کے۔۔۔" اور "الفت کی نئی منزل کو چلا۔۔۔" انہیں شہرت کی بلندیوں پر لے گئے جو آج تک برقرار ہے۔

قتیل شفائی سے پہلے فلمی گیتوں کا زیادہ تر دارومدار موسیقی پر تھا اور کامیابی کا سہرا بھی انہی کے سر جاتا تھا۔ مگر بعد میں قتیل شفائی نے اس روایت کو نئے انداز میں اپنایا۔ اور یہ باور کرایا کہ ایک عمدہ شاعر اور جذبات واحساسات کا اظہار کسی فلم کی کامیابی کی ضمانت قرار دیا جاسکتا ہے۔

ان کی خوش قسمتی تھی کہ ابتدا ہی سے بڑے بڑے ادیبوں کے ساتھ ان کا اٹھنا بیٹھنا رہا۔ جن میں احمد ندیم قاسمی بھی شامل ہیں۔ کئی بڑے بڑے موسیقاروں نے ان کے لکھے ہوئے گیتوں کی موسیقی ترتیب دی۔ ان میں فیروز نظامی، رشید عطرے، ماسٹر عنایت حسین، خواجہ خورشید انور، اے حمید، نثار بزمی، ناشاد، تصدق حسین اور ایم اشرف جیسے شہرت یافتہ موسیقار شامل ہیں۔ خواجہ خورشید انور کا نام شام موسیقی کی دنیا میں کسی تعارف کا محتاج نہیں مگر اس عظیم موسیقار کی دھنوں کو قتیل شفائی کے لفظوں نے ہی نغمگی دے کر امر کر دیا۔

قتیل شفائی نے نہ صرف خود مختلف ایوارڈ وصول کیے، بلکہ اپنے فن کے بل بوتے پر کئی شخصیات اور فلموں کے بھی ایوارڈ کا ذریعہ بنے۔ جن میں "انتظار" وہ پہلی فلم ہے جسے صدارتی ایوارڈ ملا جس کے شاعر

قتیل شفائی تھے۔ 1948 میں اپنے فلمی گیتوں کا آغاز کرنے والے قتیل شفائی نے 2002 تک تقریباً 900 سے زیادہ فلمی گیت لکھے۔ یہ فلمی گیت پاکستان اور ہندوستان دونوں ملکوں میں بیک وقت مقبول ہیں۔ ویسے تو ان لازوال گیتوں کی فہرست کافی طویل ہے مگر ان میں چند ایک گیتوں کے بول کچھ یوں ہیں:

"روتے ہیں چھم چھم نین۔۔۔۔"

"نگاہیں ملا کر بدل جانے والے۔۔۔۔۔"

"مجھے اے دل کسی کی یاد میں۔۔۔۔۔۔"

"میرے دل کے تار بجے بار بار۔۔۔"

"حسن کو چاند جوانی کو کنول کہتے ہیں۔۔۔۔"

"بن کے میرا پروانہ آئے گا اکبر خانان۔۔۔۔۔"

"بانٹ رہا تھا جب خدا سارے جہاں کی نعمتیں۔۔۔۔"

اور ایسے کئی گیت ہیں جو کانوں میں رس گھولتے رہے اور رہیں گے یہ سب ان کی فن کاری کا نمایاں ثبوت ہیں

نامور شعرا اگر فلموں کی گیت نگاری نہ کرتے تو اتنی معیاری اور مہذب انداز میں شاعری فلموں کا حصہ نہیں بنتی۔ انہیں ادبی شخصیات کی بدولت نہ صرف اپنے دور میں بلکہ آج بھی ان لافانی اور لازوال گیتوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ فلموں کے لیے گیت نگاری کے ساتھ ساتھ انہوں نے شاعری کی دیگر اصناف کو بھی وقت دیا اور خوب نام کمایا۔ ویسے تو انہوں نے شاعری کی تمام اصناف میں طبع آزمائی کی ہے ان کے شعری مجموعے غزل، رباعی، قطعات اور گیتوں پر مشتمل ہیں۔ اس بات کا اعتراف قتیل شفائی نے بھی کیا ہے کہ اگرچہ وہ مختلف شعری اصناف میں طبع آزمائی کرتے رہتے ہیں مگر وہ اپنے پروردگار سے ایسی تخلیق کے ہمیشہ سے طلب گار رہے ہیں جو لافانی ہو:

ساری دنیا تیرے ذمے، دنیا کی ہر چیز تیری
مجھ کو تو بس ایک میرے کردار کی تو رکھوالی دے
یوں تو لکھتا ہی رہتا ہے نظمیں، غزلیں، گیت قتیل
اسے کوئی تخلیق ہمیشہ زندہ رہنے والی دے (5)

شعری مجموعہ "مطربہ" کا موضوع طوائف ہے۔ اردو ادب کے حوالے سے یہ کوئی نیا موضوع نہیں ہے۔ محرومی اور نا آسودگی نے لوگوں سے ان کے جذبات و احساسات کی قیمت لی ہے اور بدلے میں وہ قیمت چکانی پڑی کہ جس کے ذکر سے سوائے کرب اور کچھ نہیں ملتا۔ انہوں نے ایک طوائف اور اس کے کاروبار کے حوالے سے ذکر کرتے ہوئے لکھا:

"میں جانتا ہوں کہ بڑے بڑے انشاء پرداز طوائف کے بارے میں لکھ لکھ کر ہار گئے پھر بھی یہ جنس بازار میں موجود رہی۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ جب تک کوئی نیا معاشی نظام نہیں آجاتا تب تک نغموں کی اوٹ میں جسم بکتے ہی رہیں گے۔ اس کے باوجود میں یہ نظمیں پیش کر رہا ہوں اور اصلاحِ معاشرہ کی غرض سے نہیں بلکہ اچھے ادب کے طور پر۔"(6)

"رنگ، خوشبو، روشنی" کے عنوان سے ان کی کتاب دراصل شعری مجموعہ ہے۔ جس کے لیے ان کے عزیز دوستوں احمد ندیم قاسمی، محترم خواجہ زکریا اور شہزاد احمد نے رہنمائی فراہم کی۔ اس کتاب میں انہوں نے مخصوص کلام جو مختلف شعری مجموعوں میں شائع ہوتا رہا کو منتخب کر کے شائع کیا ہے۔ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"مجھے اپنے چند ابتدائی مجموعوں کے بارے میں بار بار سوچنا پڑا کہ آج سے بہت پہلے کہا گیا کچا پکا، معصوم سا کلام اس انتخاب میں شامل کروں یا نہ کروں۔ جب اس سلسلے میں احباب سے رجوع کیا تو انہوں نے اس "بے قصور" کلام کو "شہر بدر" نہ کرنے کا مشورہ دیا اور اپنے مشورے کے جواز میں انہوں نے اقبال کے اس کلام کا حوالہ دیا جو انہوں نے اکبر الہ آبادی کی پیروی میں کہا تھا لیکن اپنی انفرادیت کے مقام عروج پر پہنچنے کے باوجود انہوں نے اسے اپنے دوسرے کلام سے الگ کرنا پسند نہ فرمایا۔" (7)

قتیل شفائی کی گیتوں میں غزل کا تاثر ملتا ہے جب کہ ان کی غزل غنائیت لیے ہوئے ہے۔ ان کی شاعری خصوصاً گیت میں ایک سحر پایا جاتا ہے جو سننے والے کو عالمِ مدہوشی میں لے جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ ان کے گیتوں میں ایک خاص مٹھاس اور چاشنی ہے۔ لفظ کانوں میں رس گھولتے ہیں۔ فضائیں مہک جاتی ہیں۔ سننے والے پر ردھم اور ساز و سرور کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ان کے تقریباً تمام گیتوں کا یہ کمال ہے کہ ایک دفعہ کانوں تک ان کی آواز سنائی دے تو پھر سننے والا بے اختیار گاتا چلا جاتا ہے۔

شاعرانہ خصوصیات کے حوالے سے قتیل شفائی کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنی شاعری میں عام بول چال اور سادہ قابل فہم الفاظ کو جگہ دیتے ہیں۔ ایسے الفاظ بغیر کسی رکاوٹ یا تردد کے انسانی جذبات اور احساسات کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان کی غزل پر ایک خاص طلسم چھایا ہوا ہے۔ موسیقیت اور غنائیت ان کا خاصا ہے:

سخن بریدہ زباں کا سخن ہی باقی ہے
وضاحتوں کے لیے اب غزل ہی باقی ہے(8)

قتیل شفائی ایک مرد ہونے کے باوجود عورت کے جذبات کی عکاسی بہترین انداز میں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی شاعری میں ایک درد ہے۔ طلب ہے، تڑپ ہے اور عورت کی بے چارگی ہے۔ جس کا مردوں کے اس معاشرے میں عورت کو سامنا ہے۔ جہاں اپنے پیٹ پالنے میں عورت طوائف تک بننے چلی جاتی ہے اور پھر معاشرے میں نفرت اور حقارت کا سامنا کرتی ہے۔ انہوں نے اسی کرب کو محسوس کیا اور اسے لفظوں میں ڈھال کر لوگوں تک پہنچایا ہے۔

ان کے ہاں طوائف سے نفرت نہیں بلکہ اس کے لیے انہوں نے "مطربہ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ان کے گیتوں، غزلوں میں عورت کی نفسیات کی عکاسی عمدگی سے کی گئی ہے۔ ان کے ہاں دیگر ترقی پسندوں کی طرح عورت معاشرے کا لازمی حصہ ہے۔ جہاں وہ صرف رقاصہ، طوائف یا گانے والی نہیں بلکہ مرد کی ساتھی ہے۔ جس کا زندگی میں اس کا ایک اہم کردار ہے۔ جہاں دونوں مرد عورت معاشرے کے اہم فرد کے طور پر جانے جاتے ہیں۔

ان کی شاعری کا موضوع مرد و عورت کی محبت اور عشق ہے۔ جہاں یہ دونوں (مرد و عورت) خصوصیت اور انفرادیت کے ساتھ موجود ہیں۔ ان کے ہاں جدیدیت کا اثر بھی نمایاں طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ وہ جذبے، لہجہ اور الفاظ کا جدید استعمال کرنا جانتے ہیں۔ مگر وہ روایت سے بھی کسی طور منحرف نہیں ان کے ہاں قدیم اور جدید کا توازن ہی ان کی کامیابی کی وجہ بنا رہا۔

قتیل شفائی نے شاعری کی تمام پسندیدہ اور مقبول اصناف میں طبع آزمائی کی۔ نظم، غزل، گیت، قطعات، رباعی، آزاد غزل اور فلمی غزل لکھ کر شہرت کی بلندیوں کو چھوا۔ ان کی شاعری انسانی احساسات و جذبات کی ترجمان ہے۔ خصوصاً محبت جدائی اور تنہائی کا کرب ان کی شاعری میں بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔

ہزاروں غزلوں اور گیتوں کے شاعر قتیل شفائی نے پاکستان اور ہندوستان دونوں میں یکساں مقبولیت حاصل کی۔ اس کا اعتراف مختلف اعزازات جن میں پرائیڈ آف پرفارمنس، آدم جی ایوارڈ، نقوش ایوارڈ، امیر خسرو ایوارڈ اور اباسین آرٹ کونسل ایوارڈ کی صورت میں کیا گیا ہے۔ قتیل شفائی کا شعری فن شعری ادب میں ایک درخشندہ ستارے کی مانند رہے گا جس میں آنے والے وقتوں میں بھی اضافے کا سبب بنے گا۔

حوالہ جات

1۔ احمد عقیل روبی، "قتیل کہانی"، لاہور: الحمد پبلی کیشنز چوک پرانا انارکلی، دسمبر 2000 ص 15

2۔ محمد طفیل، مشغولہ "آموختہ"، نئی دہلی: بیسویں صدی قبل پبلی کیشنز دریا گنج، س۔ن ص 10

3۔ اظہر جاوید، "گھنگرو ٹوٹ گئے"، دہلی: تخلیق کار پبلشرز لکشمی نگر، 2008- صفحہ 13

4۔ فیض احمد فیض، مشمولہ "گفتگو" نئی دہلی: بیسویں صدی پبلکیشنز دریا گنج، اپریل 1982 صفحہ 6

5۔ قتیل شفائی، "پیراہن"، نئی دہلی: بیسویں صدی پبلیکیشنز دریا گنج، س۔ن ص 14

6۔ قتیل شفائی، "مطربہ"، حیدر آباد، انڈیا: حسامی بک ڈپو، 1984 ص 6

7۔ قتیل شفائی، "رنگ، خوشبو، روشنی"، نئی دہلی: لبرٹی آرٹ پریس فیس بک مکتبہ جامعہ لمیٹڈ پٹوری ہاؤس دریا گنج، مارچ، 1995 ص 9

8۔ قتیل شفائی، "پیراہن"، ایضاً ص 15